اس خطۂ اعظم گڈھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر
جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

مولانا شکراللہ صاحب مبارک پوریؒ

سوانحی خاکہ

”مولانا شکراللہ اکیڈمی مبارک پور“ کے زیراہتمام یک روزہ علمی وتحقیقی سیمینار بعنوان ”مشاہیر احیاء العلوم“ منعقدہ ۲۴/رجب ۱۴۳۶ھ
مطابق ۱۴/مئی ۲۰۱۵ء بروز جمعرات بمقام جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڈھ کے لیے لکھا گیا مقالہ

بقلم

محمد سالم مبارک پوری سریّانوی

فاضل دارالعلوم دیوبند

مولانا شکراللہ اکیڈمی مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عناوین

مولانا شکراللہ صاحب مبارک پوریؒ،سوانحی خاکہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

اس خطۂ اعظم گڈھ پر مگر فیضانِ تجلی ہے یکسر

جو ذرّہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیرِ اعظم ہوتا ہے

خطّۂ اعظم گڑھ مشرقی یوپی کا ایک ایسا اہم اور تاریخی ضلع ہے، جہاں سے بکثرت نابغہء روزگار عبقری اور تاریخ ساز شخصیتیں اٹھیں، جن کی انفرادیت اور امتیاز کو علمی دنیا نے صرف تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ ان کو سراہا اور دادِ تحسین سے بھی نوازا، اسی خطۂ اعظم گڑھ کا ایک بافیض اور مشہور ومعروف علاقہ قصبہ ''مبارک پور'' بھی ہے، جہاں سے علم وفضل کے دریا رواں رہے ہیں اور آج بھی جاری وساری ہیں، یہاں کی کوکھ سے علماء، فقہاء، محدثین، ادباء اور دیگر جبالِ علم وفضل پیدا ہوے ہیں، جنہوں نے کرۂ ارض کو اپنے علم وفضل سے منور کیا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک شاندار اور زریں کڑی ''محی السنہ حضرت مولانا الحاج شکراللہ صاحب مبارک پوری نوراللہ مرقدہ'' کی بھی ہے، آپ اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے، آپ کی زندگی جہدِ پیہم، سعیٔ مسلسل، عمل متواصل سے عبارت تھی، آپ نے اپنی مختصر سی زندگی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے، جن کے لیے ایک طویل زندگی درکار ہوتی ہے، آپ بلاشبہ اس شعر کے مصداق تھے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کی زندگی کی مختصر لفظوں میں عکاسی کرتے ہوے حضرت الاستاذ مفتی محمد صادق صاحب دامت برکاتہم ارقام فرماتے ہیں:

''آپ جید عالم دین، دارالعلوم کے ممتاز فاضل، قاری ومفتی، کامیاب مدرس، مجاہد آزادی، بے مثال خطیب، متقی وپرہیزگار، قائد ورہنما اور صدر جمعیۃ علماء اترپردیش تھے۔ ایک طرف آپ نے جامعہ عربیہ احیاءالعلوم کی نشأۃ ثانیہ کی، اس کو بلند مقام پر پہونچایا، دوسری طرف جماعت کو جوشِ عمل سے بھر دیا اور بدعات وخرافات کے خلاف علم بلند کیا، جس سے بدعات وخرافات کی دنیا میں زلزلہ برپا ہوگیا''(۱)

ولادت

حضرت مولانا شکراللہ صاحبؒ کے والد ماجد جناب عبدالواحد صاحبؒ کوپاگنج محلہ ہونسہ پورہ املی باغ ضلع مئو کے باشندہ تھے، بعد میں چل کر انھوں نے مبارک پور میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں کوپاگنج میں آپؒ کی ولادت ہوئی، آپ کی ولادت کی صحیح تاریخ ضبط نہیں ہے، پیش رو تذکرہ نگاروں نے اپنی معلومات سے تاریخ ولادت لکھی ہے، حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ نے بغیر تعین سال کے چودہویں صدی کی ابتداء ذکر کیا ہے، (۲) جبکہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری نے صیغۂ تغلیب کے ساتھ ۱۳۱۴ھ ذکر کیا ہے۔(۳) دارالعلوم میں بوقت داخلہ آپ کی عمر ۲۲ر سال مندرج ہے، جس کے حساب سے ۱۳۱۳ھ معلوم ہوتی ہے۔(۴) بہرحال آپ کی ولادت ۱۴-۱۳۱۳ھ مطابق ۹۶-۱۸۹۵ء کے آس پاس ہوئی ہے۔

تعلیم وتربیت

آپ نے قرآن شریف اور اردو کی ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور محلہ ہونسہ پورہ کے مدرسہ اسلامیہ میں حاصل کی، مدرسہ اسلامیہ کی داغ بیل آپ کے والد ماجد اور حاجی محمد یعقوب صاحب نے ۱۳۰۱ھ میں ڈالی تھی۔(۵)

جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں

آپ کی بنیادی تعلیم کے دوران ہی کسی وجہ سے آپ کے والد نے مبارک پور میں سکونت اختیار کر لی، چناں چہ یہاں آ کر آپ کو جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں داخل کرادیا گیا، یہاں آپ نے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اس وقت ابھی احیاء العلوم کا اجراء ہوا تھا؛ کیوں کہ ۱۳۱۷ھ میں اس کی بناء ڈالی گئی تھی، اور اس کے پہلے مدرس حضرت مولانا حکیم محمد محمود صاحب معروفیؒ (متوفی ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء) تھے، چناں چہ آپ نے حکیم صاحب کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا اور ان کے علوم ومعارف سے بھرپور استفادہ کیا، آپ حکیم صاحب کے بہت گرویدہ تھے اور ان کے طریقۂ تدریس سے بہت زیادہ مانوس بھی تھے، یہاں تک کہ آپ نے بھی بعد میں اسی طریقۂ تدریس کو عملاً اپنی زندگی میں داخل کر لیا تھا، قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ (۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء=۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”فرماتے تھے کہ میں نے بہت سے اساتذہ سے پڑھا، مگر مولانا محمود صاحب جیسا پڑھانے والا کسی کو نہیں پایا، مشکل سے مشکل تربات کو نہایت سہل انداز میں طلبہ کو سمجھاتے تھے، خود مولانا کا یہی طریقہ تھا، فرماتے تھے کہ یہ طریقہ میں نے مولانا محمود سے سیکھا ہے“۔(۶)

یہاں دوران تعلیم آپ کے خانگی حالات اچھے نہیں تھے، بلکہ نہایت عسرت وتنگی کی زندگی گذر رہی تھی، اور ہر وقت آپ پر معاشی فکر سوار رہتی تھی؛ اس کی وجہ سے تعلیم کے لیے اپنے کو مکمل طور پر فارغ نہیں کر پاتے تھے، نتیجتاً اپنا کچھ وقت طلب معاش پر بھی لگاتے تھے، اور جو وقت بچتا تھا اسے حصول تعلیم پر صرف کرتے تھے، یہی وجہ تھی آپ صبح دو گھنٹہ کام کر کے ہی مدرسے جاتے تھے، قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ ارقام فرماتے ہیں:

”ان دنوں مولانا کے گھریلو حالات نہایت ابتر تھے اور معاشی فکر زیادہ رہتی تھی، اس لیے صبح دو گھنٹہ گھر میں کام کر کے مدرسے جاتے تھے اور مدرسے سے واپس آ کر رات کو بھی کام کرتے تھے“۔(۷)

بہر حال خانگی مشاغل کے باوجود آپ نے اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا، اور اس راہ میں جو بھی رکاوٹیں آئیں ان کو بخوشی برداشت کیا۔

دوسرے مدارس عربیہ کا سفر

چوں کہ آپؒ اپنے کو معاش میں لگانا نہیں چاہتے تھے، بلکہ آپ کا ارادہ تھا کہ طلب دنیا سے بالکل بے پرواہ ہو کر صرف حصول علم میں مشغول رہیں اور جس طرح ہمارے اسلاف نے علم کی خاطر قربانیاں دی ہیں اور اس کے لیے بڑے بڑے اسفار کیے ہیں ہم بھی انھیں کے نقش قدم پر چل کر ان تک پہونچنے کی سعی کریں، اور بمصداق حدیث: **من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له به طريقا إلى الجنة**(۸) راہئ جنت افراد میں شامل ہوں۔
چناں چہ آپ نے اس مقصد کی تکمیل کی خاطر متعدد مدرسوں کے اسفار کیے اور سب سے آخر میں از ہر ہند دار العلوم دیوبند پہونچے اور وہاں سے سند فراغت حاصل کیا۔

آپ نے احیاء العلوم کو خیر باد کہنے کے بعد اپنے ضلع کے قریب ہی ایک دوسرے ضلع جونپور کا سفر کیا اور وہاں کے ''**مدرسہ حنفیہ**'' میں داخل ہو گئے، آپ نے وہاں کیا پڑھا اور کب تک تعلیم حاصل کی اس کی صحیح تحقیق نہیں ہو سکی۔ ''**مدرسہ حنفیہ**'' جونپور کے بعد آپ نے الٰہ آباد کا رخت سفر باندھا، آپ کے الٰہ آباد کے تعلیمی دور کے حوالے سے پیش رو تذکرہ نویسوں میں قدرے اختلاف ہے کہ وہاں کس مدرسے میں اور کیا تعلیم حاصل کی؟ ہم نے حتی الوسع اس کی تحقیق کی کوشش کی لیکن کامیابی ہاتھ نہیں لگی۔

الٰہ آباد کے متذکرہ بالا مدارس میں سے ایک ''**مدرسہ سبحانیہ**'' اور دوسرے ''**مصباح العلوم**'' ہے، الٰہ آباد کے تعلیمی مرحلہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب لکھتے ہیں:

''جونپور میں کسب فیض کے بعد الٰہ آباد کے ''مدرسہ سبحانیہ'' پہونچے، وہاں تجوید و قرأت کے مشہور استاذ جناب قاری مصباح الدین احمد بن مولوی محمد سعید صاحب نارویؒ سے قرأت اور تجوید کی سند حاصل کی۔'' (۹)

وہاں آپ کی تعلیمی حالت کا ذکر کرتے ہوئے قاضی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''آخر بغیر خبر کیے الٰہ آباد جا کر مدرسہ ''مصباح العلوم'' میں مولانا محمد شریف مصطفیٰ آبادی کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔'' (۱۰)

الٰہ آباد میں اپنی علمی پیاس بجھانے کے بعد آپ نے لاہر پور (موجودہ قصبہ لہر پور) ضلع سیتا پور کا قصد کیا اور وہاں کے ایک مدرسہ میں داخل ہوئے، جہاں خیر آبادی معقولات کا دریا رواں دواں تھا، وہاں آپ نے مولانا حیدر حسن شاہؒ، مولانا فیض اللہ صاحبؒ اور مولانا عبداللہ دانیال صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی، آپ نے اس مدرسے میں ''شرح مطالع''، ''توضیح تلویح'' اور ''الافق المبین'' وغیرہ کتب پڑھیں۔ (۱۱)

وہاں بھی آپ کی علمی تشنگی کو سیرابی حاصل نہیں ہوئی تو آپؒ نے ریاست مینڈھوں (علی گڈھ) کے ایک مدرسے کے لیے رخت سفر باندھا، جہاں حضرت مولانا ماجد علی جونپوریؒ (متوفی ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۵ء) کا دریائے معقولات ومنقولات پوری روانی کے ساتھ بہ رہا تھا، چناں چہ وہاں آپ نے ''مرقاۃ''، ''تہذیب''، ''شرح تہذیب''، ''شرح جامی''، ''ملاحسن''، ''ہدیہ سعیدیہ''، ''الجواہر الغالیہ''، ''میبذی''، ''حمد اللہ'' اور ''قاضی مبارک'' وغیرہ کتب کو پڑھا۔ (۱۲)

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

ام المدارس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، ایک ایسا ادارہ ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ گوناگوں خصوصیات سے نوازا ہے جس کی نظیر پورے برصغیر ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں ملنا مشکل ہے، اور اللہ رب العزت نے اسے ایسی مرجعیت دی ہے کہ ہر کوئی اس کے فیض سے بہرہ یاب ہونا اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتا ہے، اور ہر طالب علم دوران تعلیم اسی جذبہ کو لے کر تعلیمی مراحل طے کرتا ہے، چناں چہ اسی جذبۂ وفور وشوق بے انتہا کے ساتھ آپ نے بھی تعلیمی مراحل طے کیے اور دیگر مدارس سے یکے بعد دیگرے مستفید ہو کر دارالعلوم وارد ہوئے اور وہاں کے خوشہ چینوں میں داخل ہو کر سال بھر اکتساب فیض کیا اور علم وعمل میں گیرائی وگہرائی پیدا کی۔

دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی صورت حال

آپ نے دارالعلوم میں کیا پڑھا اور کن اکابر سے تعلیم حاصل کی اس کے ذکر سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سنہرے دور کا کچھ تعلیمی جائزہ پیش کیا جائے

تاکہ پتہ چل سکے اس دور کی کیا خصوصیات تھیں؟ اور اس وقت کے طالبین علوم نبوت مادرعلمی سے کیا لے کر جاتے تھے؟ اس کے لیے حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (١٣١٤ھ-١٨٩٦ء=١٣٩٦ھ-١٩٧٦ء) کی ذیل کی چشم کشا عبارت ہی کافی ہے، آپؒ بھی اس وقت دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے، مولانا موصوفؒ سے ایک سال بعد فارغ ہوئے، مجلہ دارالعلوم بابت دسمبر ١٩٧٤ء میں آپ کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس میں آپ نے اپنے دور کی تعلیمی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

''اُس وقت دارالعلوم دیوبند ائمۂ فن علماء اور اولیاء و اتقیاء کا ایک بے مثال گہوارہ تھا، ایک طرف نمونۂ سلف قدوۃ المشائخ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دارالعلوم کا حلقۂ درس حافظ ابن حجرؒ اور شیخ الاسلام نوویؒ کے حلقۂ درس کی مثال تھی، تو دوسری طرف شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کا حلقۂ درس امام غزالیؒ اور رازیؒ کی یاد تازہ کر رہا تھا، ایک طرف شیخ المشائخ مفتئ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب کا حلقہ فتوی و درس حدیث و تفسیر اور اس کے ساتھ حلقۂ اصلاح و ارشاد اور سالکان طریقت کی تربیت کا بے نظیر سلسلہ جاری تھا، تو دوسری طرف یادگار سلف عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کا درس حدیث و فقہ اور نہایت مفید عام تصانیف کا سلسلہ جاری تھا، اسی کے ساتھ عام اصلاح خلق کے لیے ارشاد و تربیت کا ایک بڑا حلقہ تھا، جس سے ہزاروں بندگان خدا کی اصلاح ہوتی تھی اور ان میں دینی انقلاب نمایاں نظر آتا تھا۔

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور شیخ المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی اور حضرت مولانا رسول خاں صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہم اس زمانے کے متوسط مدرسین میں شمار ہوتے تھے، رئیس المناظرین حضرت مولانا سید مرتضی حسن صاحب اس وقت ناظم تعلیمات تھے، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب دارالعلوم کے صدر مہتمم تھے اور اس کے ساتھ ہمیشہ ایک سبق پڑھانے کا معمول تھا، نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن تھے، جن کے عربی قصائد اور عظیم الشان تصنیف ''دنیا میں اسلام کیوں کر پھیلا؟'' ہر طبقے کے علماء میں قبول عام حاصل کر چکے ہیں، غرض ہر طرف بزرگان سلف کے نمونے، پیکر علم و عمل ستاروں کی طرح درخشاں نظر آتے تھے، جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، ان کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہیں کہ ؎

ایک محفل تھی فرشتوں کی، جو برخواست ہوئی'' (١٣)

مذکورہ بالا عبارت سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ اس وقت دارالعلوم میں کن اکابر کا فیض جاری تھا، اور وہ کن علوم وفنون کی تعلیم دیتے تھے، اور اس دور کی علمی خصوصیات اور روحانی و عرفانی کیفیات کیا ہوتی تھیں، حضرت مولانا شکر اللہ صاحبؒ نے شوال ١٣٣٤ھ مطابق اگست ١٩١٦ء میں درجہ دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا اور ایک سال رہ کر شعبان ١٣٣٥ھ (١٤) مطابق مئی ١٩١٧ء میں کبار علم وفن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے سند فراغت حاصل کیا۔ (١٥)

آپ نے دورۂ حدیث شریف میں بوقت داخلہ درج ذیل کتابوں کا امتحان دیا تھا:

(١) ترمذی شریف (٢) بیضاوی شریف (٣) جلالین شریف (٤) ہدایہ اولین (٥) ملا جلال (٦) حمد اللہ

(٧) میر زاہد (٨) امور عامہ (١٦)

دارالعلوم کے اساتذہ

آپؒ نے قیام دارالعلوم کے زمانے میں کن اکابر سے تعلیم حاصل کی اس کی کوئی حتمی وضاحت دستیاب نہیں ہو سکی، اور نہ ہی آپ کی سال فراغت یعنی ١٣٣٥ھ کی روداد دارالعلوم میں اس کی تفصیل ہے کہ اس وقت دورۂ حدیث میں کون کون سے اساتذہ کا فیض جاری تھا، البتہ روداد میں '' فہرست اسمائے عربی اساتذہ'' کے نام سے کچھ اکابر کے نام مندرج ہیں، ان میں سے کچھ تو وہ اکابر ہیں جن کا تذکرہ مفتی شفیع صاحب عثمانیؒ کی تحریر میں گذرا اور کچھ ان کے علاوہ ہیں، بہرحال یہ اور

دیگر مآخذ کو سامنے رکھ کر آپ کے اساتذہ میں سے چند اساطین علم وفضل درج ذیل ہیں:

(١) محدث کبیر وعلامۃ العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ (١٢٩٢ھ/ ١٨٧٥ء= ١٣٥٢ھ/ ١٩٣٣ء) (٢) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ دیوبندی ثم الپاکستانی (١٣٠٥ھ/ ١٨٧٨ء= ١٣٦٩ھ/ ١٩٤٩ء) (٣) عالم ربانی مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ (١٢٩٤ھ/ ١٨٧٧ء = ١٣٦٤/ ١٩٤٥ء) (٤) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب دیوبندیؒ (١٢٧٩ھ/ ١٨٦٢ء= ١٣٤٧ھ/ ١٩٢٨ء)(١٧)

دورۂ حدیث شریف میں حاصل کردہ نمبرات اور انعامات کی تفصیل

آپؒ نے کبار علم وفن اور نابغۂ روزگار ہستیوں کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، اور ان کے علوم ومعارف سے بھرپور استفادہ کیا، اور ان کی دورس نگاہوں میں اپنی محنت وصلاحیت اور خداداد ذہانت وفطانت کی بنیاد پر ایک بلند مقام حاصل کرلیا، آپ عام طور پر امتحانات میں اعلی وممتاز نمبروں سے کامیاب ہوتے تھے؛ اسی وجہ سے دارالعلوم میں بھی ممتاز رہے اور کئی کتابوں میں مقررہ نمبرات سے زیادہ ہی نمبر لائے، اول پوزیشن سے کامیاب ہوئے، اور دارالعلوم کی طرف سے عمومی وخصوصی انعامات کے مستحق ہوئے۔

دورۂ حدیث شریف میں حاصل کردہ نمبرات کی تفصیل:

کتاب	نمبر	کتاب	نمبر
(١) صحیح بخاری شریف	٥٢	(٢) صحیح مسلم شریف	٥١
(٣) سنن ترمذی شریف	٥٠	(٤) سنن ابوداؤد شریف	٥٢
(٥) سنن نسائی شریف	٥٠	(٦) سنن ابن ماجہ شریف	٤٩
(٧) مؤطا امام مالک	٥٠	(٨) مؤطا امام محمد	٥٢
(٩) شمائل ترمذی	٥٠	(١٠) طحاوی شریف (١٨)	٤٨

دارالعلوم دیوبند میں حاصل کردہ انعامات کی تفصیل:

دارالعلوم دیوبند کا پہلے سے یہ ضابطہ رہا ہے کہ وہ طلبہ کی حوصلہ افزائی اور ان کے شوق کو مہمیز کرنے اور انھیں کامل محنت ولگن سے حصول علم میں انہماک کی ترغیب کی خاطر سالانہ امتحانات کی کامیابی پر عمومی وخصوصی انعامات سے نوازتا رہا ہے، گو پہلے اس کی شکل وترتیب مختلف ہوتی تھی، لیکن اب باقاعدہ **"انعامی جلسہ"** کے عنوان سے ایک دوروزہ پروگرام منعقد کرتا ہے، یہ انعامات عموماً کتابی شکل میں ہوتے ہیں، البتہ پوزیشن والے طلبہ کو نقد انعام سے بھی کبھی نوازا جاتا ہے، چناں چہ آپؒ کے زمانے میں بھی یہ شکل تھی، اور آپ کو عمومی انعام میں کئی کتابیں ملیں، جب کہ خصوصی انعام میں ایک گھڑی عطا ہوئی تھی۔

عمومی انعام میں درج ذیل کتابیں آپ کو ملیں:

(١) مسلم الثبوت (٢) مرقات (٣) تذکرۃ الرشید (٤) جہد المقل (حصہ دوم) (٥) تحذیر الناس (٦) فیوض قاسمیہ (١٩)

آپ کو انعام خاص میں ایک جیبی گھڑی عطا ہوئی جیسا کہ گذر چکا، یہ گھڑی دارالعلوم ہی کے ایک مخیر صاحب جناب مولوی محمد اسماعیل صاحب خلف صادق جناب قاری محمد ابراہیم صاحب، مدرسہ اسلامیہ دولت پور نواکھالی نے عطا کی تھی۔

آپ کو انعام خاص دینے کا تذکرہ روداد دارالعلوم میں بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے:

''انعام خاص''اس موقع پر مولوی محمد اسماعیل صاحب خلف صادق جناب قاری محمد ابراہیم صاحب مدرسہ اسلامیہ دولت پور ساکن نواکھالی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ انھوں نے مہربانی فرما کر دو گھڑی جیبی عمدہ مدّ انعام میں ان طلبہ کو عنایت فرمائیں جو کتب احادیث میں بایں تفصیل اول درجہ کی کامیابی حاصل کریں، ایک اس طالب علم کو دی جائے جو امتحان حدیث شریف میں سب سے اول نمبر پر رہے، چناں چہ مولوی شکراللہ اعظم گڈھی کو ان کی محنت ولیاقت کے صلہ میں دی گئی۔......(۲۰)

آپ کے دارالعلوم کے رفقاء درس میں کئی ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے بعد میں چل کر علم وفضل میں کمال حاصل کیا اور اپنے زمانے کے باکمال علماء وفضلاء میں شمار ہوئے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) محی السنہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ اعظمی ثم الہ آبادی (۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء-۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء) (۲) مولانا عبیداللہ صاحب پاکستانی (۳) مولانا عبدالغنی صاحب گجراتی (۴) مولانا محفوظ علی صاحب گنگوہی (۵) مولانا حمیدالدین صاحب سنبھلی (۶) مولانا سعداللہ صاحب اعظمی (۷) مولانا محمد مسلم صاحب دیوبندی (۸) مولانا غلام مصطفی صاحب جالندھری رحمہم اللہ تعالی (۲۱)

مولانا موصوف کے زمانۂ دارالعلوم کے قیام کی تفصیلات سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ آپ نے مادر علمی میں رہ کر وہاں کے فیوض و برکات سے مکمل استفادہ کیا اور اپنے سینہ میں اکابر کے جوہر کو سمویا، یہی وجہ ہے آپ جامعہ عربیہ احیاء العلوم کے ایک شاندار اور زریں دور کے بانی ہیں، اور آپ نے مدرسہ، جماعت اور معاشرہ کے حوالے سے جو خدمات انجام دیں اس کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا کہ غیروں کی نہیں بلکہ اپنوں کی ستم ظریفی کے باعث آپ کی حیات وخدمات ہمارے سامنے نہ ہونے کے برابر ہے، اور نئی نسل آپ سے بالکل ناواقف ہے، لیکن پھر بھی جو ہے وہ عدم سے بہتر ہے، ضرورت ہے کہ باہمت اہل قلم اس جانب توجہ فرمائیں اور آپ کی صحیح ومکمل تصویر نسل نو کے سامنے لاسکیں۔

درس وتدریس

آپ دارالعلوم دیوبند سے رسمی فراغت کے بعد اپنے وطن مبارک پور واپس لوٹے اور یہاں آنے کے بعد جلد ہی ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں مدرسہ احیاء العلوم سے تدریسی طور سے وابستہ ہوگئے، مدرسہ کے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا الٰہی بخشؒ نے اہتمام کی بھی ذمہ داری آپ پر ڈال دی، آپ نے اپنے اہتمام کی ذمہ داریوں کے ساتھ قلیل سی زندگی میں سیکڑوں تشنگان علوم کو سیراب کیا، اور ان کی علمی، ادبی اور اصلاحی نشوونما کی، آپ کی علمی استعداد وصلاحیت نہایت ٹھوس و پختہ تھی، ہر علم وفن کی کتابیں بلاتکلف پڑھاتے تھے، افہام وتفہیم میں خداداد ملکہ حاصل تھا، اسی وجہ سے منطق وفلسفہ اور دیگر علوم وفنون کی منتہی کتابیں بلا مطالعہ ایسے پڑھاتے تھے کہ مشہور مدرسین بھی نہیں پڑھا سکتے تھے، اور مشکل مباحث کو ایسے آسان اور سلجھے ہوئے انداز میں سمجھاتے تھے کہ طلبہ کو درس میں وہی بات سب سے آسان لگتی تھی۔

مشکل مباحث کے افہام وتفہیم کے تئیں قاضی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''کسی مشکل مقام آنے سے دو ایک دن پہلے بتادیا کرتے تھے کہ فلاں مقام آرہا ہے، جو ہماری درس گاہوں میں بہت مشکل سمجھا جاتا ہے اور اس پر کئی کئی دن تقریریں ہوتی ہیں، مگر میں اسے اس طرح پڑھاؤں گا کہ پوری کتاب میں سب سے آسان سبق یہی معلوم ہوگا۔ چناں چہ واقعی ایسا ہی ہوتا تھا اور ہم لوگ جب اسے پڑھ کر اٹھتے تھے تو آپس میں کہا کرتے کہ یہ کون سا مشکل مقام ہے۔ ہدیہ سعیدیہ، ملاحسن، حمداللہ، قاضی مبارک مزہ لے لے کر پڑھاتے تھے، اور فنی اشکالات پر خوب تقریر فرماتے تھے۔۔۔

کافیہ کا ''مشن منہا''، شرح جامی کا ''حاصل محصول''، تہذیب کا ''ضابطہ''، ملاحسن کا ''جعل'' اور ''پنجہ''، حمداللہ کا ''امور عامہ''، میبذی کی ''شکل عروسی'' و ''شکل

حماریٰ' وغیرہ، مشکل مباحث کو پانی کر دیا کرتے تھے، اور ان کو اس طور سے سمجھا دیا کرتے تھے کہ کتاب میں سب سے آسان بحث وہی معلوم ہوتی تھی''۔(۲۲)

آپ کا تدریسی انداز دیگر مدرسین سے کچھ الگ تھا، اور اس اختلاف انداز میں آپ کے پیش نظر یہ بات تھی کہ طلبہ صرف رسمی طور پر کتابوں ہی کی خانہ پری نہ کریں، بلکہ ان کے اندر کتاب کا فن آئے، اور وہ کتابوں کی خواندگی کے ساتھ فنون پر بھی عبور حاصل کریں، اور فراغت کے بعد جب مسند درس پر بیٹھیں تو ان کے لیے کوئی کتاب مشکل نہ معلوم ہو، بلکہ بسہولت بلا تکلف جس کتاب کو چاہیں پڑھا سکیں، قاضی صاحبؒ فن کتاب کی تدریس کے حوالے سے ارقام فرماتے ہیں:

''مولانا کتاب پڑھانے کے قائل نہیں (تھے) بلکہ کتاب کے ذریعہ فن پڑھاتے تھے، فرماتے تھے کہ آج کل مدرسوں میں کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور ان کے الفاظ وعبارات اور ضمائر ومراجع زور دیا جاتا ہے، حالاں کہ ان میں جو فن ہے اس کی تعلیم دینی چاہیے''۔(۲۳)

اسی وجہ سے جن کتابوں میں فن نہیں پڑھایا جاتا بلکہ لفظی موشگافیوں پر طویل طویل بحثیں کی جاتی ہیں اور انہیں کے افہام وتفہیم میں سارا زور صرف کیا جاتا ہے؛ ان کتابوں کی تدریس کے سخت مخالف تھے، قاضی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''شرح جامی کے سخت مخالف تھے اور کہتے تھے کہ اس قسم کی کتابوں سے فن نہیں آتا، بلکہ الفاظ وعبارات اور طرز ادا میں ذہن الجھ کر رہ جاتا ہے، ہمارے درس نظامیہ میں مشکل پسندی کے دور کی کتابیں داخل ہیں، ان سے باریک بینی ضرور پیدا ہوتی ہے، مگر اس سے پہلے نفس فن کا پورے طور پر سمجھنا ضروری ہے؛ اسی لیے قدماء ہر فن کی کوئی مختصری کتاب زبانی یاد کر لیا کرتے تھے''۔(۲۴)

مولانا کے پڑھانے کا انداز کیا تھا؟ خود قاضی صاحب کی زبانی سنیے، لکھتے ہیں:

''ان کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے عبارت پڑھواتے تھے، پھر پوری عبارت کا مطلب نہایت آسان اور مختصر طریقے سے سمجھا دیتے تھے اور آخر میں ترجمہ کرا دیتے تھے''۔(۲۵)

بلا شبہ حضرت مولاناؒ نے اپنی مختصر سی تدریسی زندگی میں خداداد علمی صلاحیتوں اور بے مثال تدریسی مہارتوں کے وہ جواہر پارے بکھیرے جس کی نظیر اس قحط الرجال کے دور میں نایاب تو نہیں لیکن کمیاب ضرور ہے، اس کا اندازہ آپ سے فیض پانے والے اصحاب سے بھی لگایا جا سکتا ہے، جن میں سے بعض ایسے گوہر نایاب ہیں جنھوں نے اپنی صلاحیتوں سے صرف ہندوستان ہی کو نہیں بلکہ دوسرے ممالک کو بھی فیض پہونچایا، اور اپنی علمی صلاحیتوں کا لوہا منوایا، بعض کے اسماء گرامی آ رہے ہیں۔

اصلاحی کارنامے

آپؒ نے اپنی ربع صدی کی قلیل زندگی میں علمی، دینی، اصلاحی، تبلیغی، قومی، ملی اور سیاسی خدمات کے ایسے روشن اور تابناک نقوش ثبت کیے ہیں جس کے لیے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے، اور یہ تو اللہ تعالی کا فضل ہوتا ہے وہ جسے چاہتے ہیں نوازتے ہیں، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

مولانا جب دار العلوم سے فراغت کے بعد واپس آئے تو اس وقت مبارک پور کے حالات انتہائی اندوہناک تھے، بدعات وخرافات اپنے عروج پر تھیں، اور دین کے نام پر وہ تمام کام ہوتے تھے، جن کو دیکھ کر ایک ادنی دیندار بھی شرما جائے، شادی، بیاہ، ختنہ، عقیقہ، ولادت اور وفات کے موقع پر ان تمام غیر شرعی رسوم ورواج کو جگہ دی جاتی تھی کہ --اللہ کی پناہ-- جن کا دین میں ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، اب ذرا غور کیا جائے کہ ان حالات میں اصلاح معاشرہ کے لیے کیا جتن کرنے پڑیں گے اور کتنی قربانیاں دینی پڑیں گی؟؟ چناں چہ آپ نے اس کے لیے اپنے کو جھونک دیا اور وہ سب کچھ کیا جس کی ضرورت پڑی۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا نے مدرسہ احیاء العلوم کے ذریعے زیادہ سے زیادہ تعلیمی واصلاحی خدمات انجام دیں اور بدعات وخرافات کے خلاف نہایت بے باکی سے جنگ کی، معاشرتی اور سماجی اصلاح کے لیے سینہ سپر ہو گئے، اس وقت قصبہ پر بعض خاندانوں کا کافی اثر ورسوخ تھا، جن کی وجہ سے اصلاحی کاموں کے مقابلے میں نہایت سخت حالات آئے، مقدمہ بازی، دوبدو جنگ اور سازش، غرض ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنا پڑا، مگر ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں پیدا ہوئی، بریلوی جماعت اور شیعہ جماعت سے سخت مقابلہ رہا، مناظرہ بازی کی نوبت آئی، کئی کئی مہینے جانبین سے تقریری مقابلے ہوتے رہے اور مولانا اپنی جماعت کو لے کر مقابلے میں ڈٹے رہے۔۔۔۔موت، حیات، شادی بیاہ، ذات برادری کی غلط رسموں میں بھی ان کا اصلاحی کارنامہ ہے''۔(۲۶)

بالآخر آپ کی یہ اصلاحی کوششیں بار آور ہوئیں اور اس کے ذریعہ مبارک پور کا ایک بڑا طبقہ شرک وبدعت اور رسم ورواج سے ہو کر تائب ہو کر صراط مستقیم اور سنت کی راہ پر گامزن ہوا۔آج مبارک پور میں راہ حق پر چلنے والوں کی کثیر تعداد ہے جو آپ ہی کی محنت کا ثمرہ ہے جب تک مبارک پور میں دین حق پر چلنے والے رہیں گے اس کا ثواب آپ کے نامۂ اعمال میں بھی جاتا رہے گا۔

اس کے علاوہ آپ نے اور بھی بہت سے اصلاحی کام کیے، مبارک پور میں شرعی عدالت قائم کر کے فیصلے سنائے، پرانے پرانے مقدمات حل کیے، شدھی سنگٹھن کی تحریک سے مسلمانوں میں ارتداد کی وبا پھیلی تو اس کے سامنے ڈٹ گئے اور اطراف وجوانب میں وعظ وتبلیغ کے ذریعہ اس کا سدباب کیا۔فلسطین کو جب یہودیوں کا وطن قرار دیا گیا تو عربوں کی حمایت میں پیش پیش رہ کر جلسے جلوس کیے اور دعائیں کیں اور کرائیں۔

آخر دور میں جب امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقیؒ (۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء-۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) کی سرپرستی میں لکھنؤ میں ''مدح صحابہؓ'' کی تحریک چلی تو اس میں بڑے جوش خروش کے ساتھ حصہ لیا اور مبارک پور کے لوگوں کو لے جا کر گرفتاریاں دیں۔(۲۷)

آپ مسلم جماعتوں اور تنظیموں میں سب سے زیادہ جمعیۃ علماء ہند کے قریب رہے، اور اس کے ہر پروگرام میں بڑی لگن اور جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیتے تھے، اپنی قائدانہ صلاحیتوں کی بنیاد پر جمعیۃ علماء یوپی کے صدر بھی رہے۔اس سلسلہ میں مفتی جمیل احمد صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا کی جماعتی سرگرمیوں اور قائدانہ صلاحیتوں کے پیش نظر وفات سے دوسال قبل حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ صدر جمعیۃ علماء ہند کی تحریک پر آپ کو جمعیۃ علماء یوپی کا متفقہ طور پر صدر منتخب کیا گیا، مولانا نے اپنی گوناں گوں قومی اور ملی مصروفیات اور جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کی ذمہ داریوں کے ساتھ اپنے دوسالہ دور صدارت میں جمعیۃ علماء کی جو شاندار خدمات انجام دیں وہ انھیں کا حصہ تھا''۔(۲۸)

جنگ آزادی میں شرکت

ہندوستان کی آزادی میں علماء کرام اور اپنے اکابر کے وہ کارنامے ہیں کہ ان کے بغیر اس ملک کی آزادی محض ایک حسین خواب سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی تھی، اسی وجہ سے اپنے اکابر نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہر طرح کی جانی ومالی قربانی پیش کرنے میں کسی بھی طرح کا دریغ نہیں کیا، چناں چہ انھیں اکابر میں آپ کا بھی نام ہے، پورے علاقہ کو تحریک آزادی کی حرارت سے گرمایا، اور ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، یہاں تک کہ اکابر کی طرح سلاخوں کے پیچھے بھی دھکیلے گئے۔(۲۹)

تعمیراتی کام

آپ نے اپنے دور میں مدرسہ کے لیے کئی تعمیراتی کام کیے، جن میں مدرسہ کے لیے مستقل عمارت کا انتظام ہے جب آپ نے بار اہتمام سنبھالا تو اس وقت مدرسہ کی کوئی اپنی عمارت نہ تھی، بلکہ مدرسہ مسجد دینا بابا میں تھا، آپ نے آتے ہی سب سے پہلے مدرسہ کی عمارت کی فکر کی اور اس کے لیے زمین خریدی اور بڑی محنت

وکگن سے عمارت تعمیر کرائی۔(۳۰)

اسی طرح قصبہ میں اپنی کوئی عیدگاہ نہیں تھی، آپ نے اسلام پورہ روڈ محلہ پورہ رانی میں ایک شاندار اور دیدہ زیب عیدگاہ تعمیر کرائی جو ۱۳۵۷ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ ۱۳۳۷ھ میں جب دیوبندی جماعت کا جمعہ علاحدہ ہوا اور مسجد دینا بابا میں مولانا نعمت اللہ صاحبؒ کی امامت میں ادا کیا جانے لگا تو وہ مسجد ناکافی ہوگئی چناں چہ آپ نے جامع مسجد کے لیے وسیع وعریض زمین خریدی اور اپنی نگرانی میں فن تعمیر کے اعلی نمونہ پر ۱۳۵۹ھ میں اس کی تعمیر شروع کرائی، مسجد کی سنگ بنیاد کے موقع پر ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کرایا جس میں ملک کے مشاہیر ومقتدر علماء کرام شریک ہوئے تھے، آپ کے انتقال کے بعد پایۂ تکمیل کو پہونچی، یہ مسجد قصبہ کے قابل دید مناظر میں سے ہے۔(۳۱)

دیگر حالات

آپؒ طلبہ کے لیے بے حد شفیق تھے، ان کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیتے تھے، اور وقتاً فوقتاً ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمایا کرتے تھے، اسی طرح جب کسی رسالے میں اپنے کسی شاگرد کا کوئی مضمون یا اشعار دیکھتے تھے تو بے حد خوش ہوتے تھے اور اس کی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

مولانا نے اپنے عزیز طلبہ کی علمی وذہنی تربیت کے لیے جمعیۃ الطلبہ قائم کرائی، جس میں تاریخ وادب اور دیگر علمی موضوعات کی ہزاروں کتاب موجود تھی، ادبی، مذہبی اور سیاسی جرائد ومجلّات آتے تھے اور طلبہ ان کو پڑھتے تھے، **"الاحیاء"** کے نام سے طلبہ کا قلمی رسالہ نکلتا تھا، ہفتہ واری تقریریں ہوتی تھیں، جہاں مولانا کا وعظ ہوتا تھا طلبہ ساتھ ساتھ رہتے تھے اور ان سے پہلے تقریر کیا کرتے تھے۔(۳۲)

غرض آپ ہمہ جہت کے مالک تھے، بہترین معلم ومدرس اور مربی ومصلح تھے، طلبہ کے ساتھ حسب موقع نرمی وگرمی سے پیش آتے تھے۔

اسی طرح آپ بڑی رعب دار شخصیت کے مالک تھے، دینی واصلاحی کاموں میں انتہائی جری تھے، بڑے بڑے حکام کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، مخالف سے مخالف بھی آپ کے سامنے آکر بھیگی بلی بن جاتا تھا، کیا مجال تھی کہ آنکھ سے آنکھ ملا کر بات کر سکے، ہر کام میں اپنی جماعت کے اعیان سے مشورہ کرتے تھے، اس کے بعد ہی کسی امر پر عمل کرتے تھے، اللہ نے آپ کو مال وزر سے بھی نوازا تھا، اسی وجہ سے دینی کاموں میں بے دریغ خرچ فرماتے تھے اور کسی بھی کام میں چندہ کی ضرورت ہوتی تو پہلے خود دیتے بعد میں دوسروں سے اپیل کرتے تھے۔

آپ مستند وجید قاری بھی تھے، حج اور زیارت حرمین شریفین کی دولت سے بھی بہرہ یاب ہوئے، سفر حجاز میں جاتے وقت جہاز میں برطانوی حکومت کے خلاف تقریر کی جس کی تحقیقات بعد میں ہوتی رہی۔(۳۳)

آپ کے تلامذہ

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ کی درس گاہ سے فیض پانے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے، جن میں سے بعض وہ ہیں جنھوں سے صرف ہندوستان ہی میں نہیں دوسرے ملکوں میں بھی اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا ہے، آپ سے شرف تلمذ حاصل کرنے والے بعض اصحاب علم وفضل درج ذیل ہیں:

(۱) مولانا عبدالجبار صاحبؒ معروفی سابق شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (۲) مولانا مفتی نظام الدین صاحبؒ اعظمی سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند (۳) مولانا عبد الستار صاحبؒ معروفی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (۴) مؤرخ اسلام مولانا قاضی اطہر صاحبؒ مبارک پوری (۵) مولانا عبدالباری صاحبؒ اعظمی سابق ناظم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور (۶) مولانا بشیر احمد صاحبؒ

مبارکپوری (۷)مولانا محمد احمد صاحبؒ بہادر گنجی (۳۴)

بیماری اور سانحۂ ارتحال

حضرت مولاناؒ انھیں مذکورہ بالا خدمات میں صبح وشام مشغول رہتے تھے، جس کی وجہ سے صحت روبہ زوال ہونے لگی، یہاں تک کہ دق کے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے، پہلے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا حکیم محمد محمود صاحب معروفیؒ کا علاج کیا، لیکن پھر بھی مرض میں کمی نہیں ہوئی تو علاج کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں بھی علاج میں کامیابی نہیں ہوئی، مرض بڑھتا گیا، ضعف ونقاہت میں اضافہ ہوتا گیا، بالآخر مقدر کے سامنے سرنگوں ہو گئے، اور موت کا وقت موعود آن پہونچا اور علم وفضل کا یہ آفتاب ۵؍ربیع الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۳؍مارچ ۱۹۴۲ء بروز دوشنبہ بوقت چاشت اپنی زندگی کی ۴۹؍بہاریں دیکھ کر ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

وفات سے چندمنٹ پہلے کلمہ طیبہ زبان پر جاری تھا، انگلیاں بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہی تھیں، آپ کی وفات کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی، ہر طرف حزن وملال چھا گیا، کتنے دل بے قرار ہو گئے، کتنی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں، عوام ایک بڑے مربی ومصلح سے محروم ہوگئی اور ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا جس کی تلافی بڑی مشکل سے ہوتی ہے، وفات پر ملک کے مختلف اخبارات ورسائل نے تعزیتی مضامین اور شذرات لکھے، آپ کے محاسن وفضائل کا کھلے الفاظ میں تذکرہ کیا اور اطراف ملک کے علماء وفضلاء اور مشائخ نے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کیا۔(۳۵) اللّٰہم اغفر لہ وارحمہ وبرّد مضجعہ ونور مرقدہ وأنزل علیہ شآبیب رحمتک وأدخلہ فسیح جناتک۔

وصال کے دن اور جنازہ میں کثرت ازدحام کی منظرکشی کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا کے وصال کا دن مبارک پور میں یوم غم اور جنازہ مشہودہ تھا، مولانا عبد الرحمن محدث مبارک پوریؒ کے بعد یہ دوسرا جنازہ تھا جس میں اس قدر مسلمان جمع ہوئے تھے''۔(۳۶)

اسی دن غروب سے پہلے اپنے آبائی قبرستان واقع سمودی مبارک پور میں قیامت تک لیے آسودۂ خواب ہو گئے۔

آپؒ کی مزار کے سرہانے ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس پر درج ذیل عبارت کندہ ہے:

''هذا قبر محي السنة الشيخ العلامة الحاج شكر اللّٰه المباركفوري نور اللّٰه مرقده، المتوفى يوم الاثنين ٦/ربيع الأول ١٣٦١ھ(٣٧)

یہ ایک ایسے شخص کا تذکرہ تھا جس نے اپنی مختصر سی زندگی کو دین اور علم دین کے لیے وقف کر دیا تھا، آپؒ کی زندگی ہر ایک کے لیے نمونۂ عمل ہے، آپؒ نے اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لیے ایک لائحۂ عمل دیدیا کہ وہ اس کی روشنی میں اپنے زندگی کے مراحل کو طے کریں اور کہیں ان کے پایۂ استقامت میں لغزش نہ آئے، اللہ تبارک وتعالی سے دعا ہے کہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے اور ہم سب بلکہ پوری امت مسلمہ کی طرف سے آپ کو اپنی شایان شان اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

ورق تمام ہوا ذکر ابھی باقی ہے دفتر چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

حواشی و حوالہ جات

(۱) مفتی محمد صادق مبارک پوری، اکابر احیاء العلوم ۱/ ۳۳، ط: فرید بکڈ پو دہلی ۱۴۲۵ھ (۲) قاضی اطہر مبارکپوریؒ، تذکرہ علماء مبارکپور: ۲۶۵، ط: مکتبۃ الفہیم مئو ۲۰۱۰ء (۳) مفتی جمیل احمد نذیری، فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۰، ط: احیاء العلوم ۱۹۸۴ء (۴) رجسٹر داخلہ دار العلوم دیوبند ۳۵-۱۳۳۴ھ (۵) فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۰، تذکرہ علماء مبارک پور: ۲۶۵، اکابر احیاء العلوم ۱/ ۳۳ (۶) تذکرہ ص: ۲۶۵ (۷) حوالۂ سابق (۸) رواہ الامام مسلم فی صحیحہ، کتاب الذکر والدعاء والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، رقم الحدیث: ۲۶۹۹ (۹) فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۰ (۱۰) تذکرہ ص: ۲۶۵ (۱۱) حوالۂ سابق ص: ۲۶۶ (۱۲) حوالۂ سابق (۱۳) سید محبوب رضوی، تاریخ دار العلوم ۱/ ۲۵۰-۲۵۱، ط: مکتبہ دار العلوم (۱۴) آپ کی سن فراغت یہی ہے جو ذکر کی گئی، اور یہی روداد دار العلوم ۱۳۳۵ھ ص: ۲۲۷ پر درج ہے، اس سلسلہ میں قاضی صاحبؒ سے تسامح ہوا ہے اور انھوں نے ۱۳۳۶ھ سن فراغت ذکر کیا ہے، جو کہ سہو ہے، اور اسی سہو کی بنا پر قاضی صاحب نے مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ کو آپ کا رفیق درس بتایا ہے؛ کیوں کہ مفتی صاحب ۱۳۳۶ھ ہی کے فارغ ہیں جیسا کہ روداد دار العلوم اور تاریخ دار العلوم وغیرہ میں درج ہے (۱۵) داخلہ رجسٹر دار العلوم دیوبند، و روداد دار العلوم ۱۳۳۵ھ (۱۶) رجسٹر داخلہ دار العلوم دیوبند ۱۳۳۴ھ۔ یہاں ایک اہم بات قابل ذکر ہے کہ مؤرخ اسلام حضرت مولانا قاضی صاحب مبارک پوریؒ نے آپ کے دار العلوم میں داخلہ کے بارے میں لکھا ہے کہ بغیر کسی امتحان کے داخل ہوئے تھے، جب کہ رجسٹر داخلہ کی رپورٹ اس کے برعکس ہے، قاضی صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: ’’اس کے بعد مولانا ماجد علی جونپوری کی درس گاہ سے نکل کر دار العلوم دیوبند میں داخلہ کا امتحان دیے بغیر داخل ہو گئے، ہم طالب علموں سے جب اس واقعہ کو بیان فرماتے تو ہم لوگ اس کی ترکیب پوچھتے مگر آخر تک اسے نہیں بتایا‘‘ (تذکرہ ص: ۲۶۶) تو اس سلسلہ میں وضاحت ہے کہ قاضی صاحب کی بات چونکہ ان کی اپنی سنی ہوئی ہے اس لیے اس کی صحت میں کوئی تردد نہیں ہے اور اسی طرح رجسٹر داخلہ کی رپورٹ میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے؛ اس لیے دونوں میں تطبیق دینے پڑے گی، تو اس کی تطبیق بایں طور ممکن ہے کہ دار العلوم کے ریکارڈ کو تحقیق سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپؒ نے دار العلوم میں دو مرتبہ داخلہ لیا تھا، پہلا ۳۴-۱۳۳۳ھ کے سال میں داخلہ لیا تھا، جس کا ذکر رجسٹر داخلہ ۱۳۳۳ھ میں ہے، البتہ اس تعلیمی سال کی روداد ۱۳۳۴ھ میں آپ کی فراغت کا کوئی ذکر نہیں ہے، جب کہ رجسٹر میں آپ کے نام ساتھ بیماری کے عذر کی وجہ سے چھٹی لینے کا ذکر ہے، جس سے غالب گمان یہ ہے کہ آپ اس سال دار العلوم واپس نہیں لوٹے اور تعلیم کو درمیان میں ہی منقطع کر دیا، اس وجہ سے آپ کو آئندہ سال از سر نو داخلہ لینا پڑا اور اس وقت مذکورہ بالا کتابوں کا امتحان دیا، قاضی صاحبؒ نے جو واقعہ ذکر کیا ہے ظن غالب ہے کہ وہ پہلے والے داخلہ کا ہو، جو کہ بغیر امتحان کے ہوا تھا، اور یہ جو رجسٹر داخلہ کی رپورٹ ہے وہ دوسرے سال کے داخلہ کی ہے، اس وجہ سے اب کوئی اشکال نہیں۔ ۱۳۳۳ھ کا داخلہ رجسٹر آپ کے بوقت داخلہ کسی کتاب کے امتحان دینے یا نہ دینے کے حوالے سے ساکت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (۱۷) روداد دار العلوم ۱۳۳۵ھ، تاریخ دار العلوم ۱/ ۲۵۰، تذکرہ ص: ۲۶۶، فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۱ (۱۸) روداد دار العلوم ۱۳۳۵ھ ص: ۲۲۷ (۱۹) حوالۂ سابق (۲۰) حوالۂ سابق ص: ۲۲۶، یہ گھڑی بقول قاضی صاحب مولانا موصوف تک نہیں پہونچ سکی، قاضی صاحبؒ لکھتے ہیں: ’’۔۔۔اور اسی امتیازی کامیابی پر ان کو دار العلوم کی طرف سے ایک گھڑی انعام کے طور پر عطا ہوئی، جو آپ تک نہیں پہونچ سکی۔‘‘ (تذکرہ ص: ۲۶۷) (۲۱) روداد دار العلوم ۱۳۳۵ھ (۲۲) تذکرہ ص: ۲۶۹-۲۷۰ (۲۳) حوالۂ سابق ص: ۲۶۹ (۲۴) حوالۂ سابق (۲۵) حوالۂ سابق (۲۶) حوالۂ سابق ص: ۲۶۸-۲۶۹ (۲۷) فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۸، تذکرہ ص: ۲۶۷-۲۶۸، اکابر احیاء العلوم ۱/ ۳۸ (۲۸) فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۸-۲۹ (۲۹) حوالۂ سابق (۳۰) تذکرہ ص: ۲۶۷، فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۲ (۳۱) حوالۂ سابق، جلسہ کی پوری تفصیل فتاوی احیاء العلوم میں موجود ہے۔ (۳۲) تذکرہ ص: ۲۷۱-۲۷۲ (۳۳) فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۹، تذکرہ ص: ۲۷۱-۲۷۲ (۳۴) فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۹-۳۰، اکابر احیاء العلوم ۱/ ۴۱ (۳۵) تذکرہ ص: ۲۷۳، اکابر احیاء العلوم ۱/ ۴۲-۴۳ (۳۶) تذکرہ ص: ۲۷۳ (۳۷) اس کتبہ پر تاریخ وفات ۶/ ربیع الاول تحریر ہے جو کہ غلط ہے، صحیح تاریخ ۵/ ربیع الاول ہے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، دیکھیے تذکرہ ص: ۲۷۳، اکابر احیاء العلوم ۱/ ۴۲۔ لیکن فتاوی احیاء العلوم میں ۱۵/ ربیع الاول تحریر ہے جو کہ بظاہر کاتب کی غلطی لگتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب